احیائے علوم اور مسلمان

ملک محمد فیروز فاروقی

سائنس کی تاریخ اور اس کے فلسفہ سے ماخوذ دلائل نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں نے سائنس کے تمام شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ جدید سائنسی نظریات پیش کئے کائنات کے سائنسی مطالعہ کے لئے عظیم الشان علمی و تحقیقی مراکز قائم کئے اور انسانی فکر کو ایک ارفع و اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ سائنسی افکار کی تاریخ کے علماء ازمنۂ قدیم کی اس علمی، ثقافتی اور تہذیبی ترقی کا ذکر بطورِ خاص کرتے ہیں جو اہلِ یونان کے ہاتھوں ہوئی اور جس نے رومۃ الکبریٰ میں نشوونما حاصل کی تھی اور مغرب کے علماء اس پر زور دیتے ہیں کہ یونانی علوم زوال یونان و رومۃ الکبریٰ کے بعد عربوں کی طرف منتقل ہو گئے اور عربوں کے زوال پر یہ سائنسی افکار و علوم اہلِ یورپ کے ہاتھ آئے جنہوں نے ان میں مزید اضافے کئے۔ ان علماء کے اس "معصومانہ" بیان کا مقصد یہ ہے کہ سائنسی افکار و علوم میں مسلمانوں نے اپنے اقتدار کے دَور میں بھی کوئی قابلِ قدر اضافہ نہیں کیا اور مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں کا یورپ پر کوئی اثر مرتّب نہیں ہوا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ انہوں نے ان علوم کو یونانیوں سے اخذ کر کے اہلِ یورپ کے حوالے کر دیا۔ بلکہ متعصّب یورپی اور امریکی علماء کا یہ بیان ہے کہ مسلمانوں نے انسانی علوم کو اُلٹا نقصان پہنچایا اور اہل یورپ کو ان کے بعد پھر سے علوم کا احیاء کرنا پڑا۔ ان متعصّب علماء کے بیان کا ایک حصّہ یہ بھی ہے کہ احیائے علوم کے فروغ میں تنہا یونانی اثر ہی ایک فیصلہ کُن عامل کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان کے نزدیک احیائے علوم کا دَور ۱۴۵۳ء میں ترکوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ کے سقوط سے شروع ہوتا ہے۔ غرضیکہ مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مغربی مورّخ قرونِ وسطیٰ کو تاریک دَور (DARK AGES) قرار دیتے ہیں۔

رابرٹ بریفالٹ[۵۱] اپنی کتاب 'تشکیلِ انسانیت' (MAKING OF HUMANITY) میں لکھتا ہے کہ "یورپی مورخ مسلمان کو کافر کتا سمجھتا ہے۔ اور اس کا کوئی احسان ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔۔۔۔۔ یورپ کے احیائے نو کی تاریخیں برابر لکھی جارہی ہیں لیکن اُن میں عربوں کا ذکر موجود نہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ شہزادہ ڈنمارک کی تاریخ میں ہیملٹ کا ذکر نہ آئے۔۔۔ ڈاکٹر ٹاؤنز بنڈ ٹیلر نے تو کمال کر دیا کہ "قرونِ وسطیٰ میں ذہنی ارتقاء" پر دو جلدیں لکھیں اور اسلامی تہذیب کی طرف اشارہ تک نہ کیا"۔ اسی طرح تمدّنِ عرب کا فرانسیسی مؤلف موسیو لی بان، لکھتا ہے کہ "ہمیں اسلام اور پیروانِ اسلام سے تعصّب وراثت میں ملا ہے۔ جو اب ہماری فطرت کا جزو بن چکا ہے۔۔۔۔ ہماری کم بخت تعلیم نے ہمارے ذہنوں میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ ہمارے تمام علوم و فنون کا ماخذ یونان ہے اور یورپی تہذیب کی تعمیر میں مسلمانوں کا کوئی حصّہ نہیں ہے"۔[۵۲] رابرٹ بریفالٹ اور موسیو لی بان کے ان واضح بیانات کی روشنی میں ہم ان اسباب و عوامل کا باآسانی تعیّن کر سکتے ہیں جن کے باعث اکثر مغربی مورّخینِ اسلامی علوم و فنون اور سائنسی افکار کی تاریخ میں مسلمانوں کے صحیح مقام کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ امر خوش آئند ہے کہ اب مسلمانوں کی عمومی بیداری کے نتیجہ کے طور پر ہم نے خود اس موضوع پر توجہ دینا شروع کر دیا ہے اور دوسری طرف مغربی مورّخین میں بھی بعض نے تعصب کی بجائے حقیقت پسندی کی راہ اختیار کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب اس موضوع پر ہم ایک اچھی لائبریری میں خاصا مواد دیکھ سکتے ہیں۔[۵۳] قرونِ وسطیٰ کے سائنسی افکار کی تاریخ اور اس کا فلسفہ اپنی حقیقت

---

۵۱ 'رابرٹ بریفالٹ' کی کتاب کا اردو ترجمہ مولانا عبدالمجید سالک نے کیا ہے، جسے مجلس ترقّی ادب نے ۱۹۶۴ء میں لاہور سے شائع کیا ہے۔ رابرٹ بریفالٹ ایک منصف مزاج مورّخ ہیں اور بالعموم انصاف کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

۵۲ تمدّنِ عرب، ص ۵۲۳

۵۳ افادۂ عام کی غرض سے چند کتابوں کے نام ذیل میں دیئے گئے ہیں:-

ڈاکٹر غلام جیلانی برق، یورپ پر اسلام کے احسان (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) ۱۹۶۴ء

اور فطرت کے لحاظ سے اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم اسے دینِ اسلام کے نظریاتی ارتقاء، اس کی جغرافیائی وسعت اور تہذیبی و ثقافتی پس منظر میں مطالعہ کریں۔ کسی دَور کی علمی ترقی کا اس کے احوال و ظروف کے پس منظر کے بغیر مطالعہ کرنا ایک فاش غلطی ہے۔ قرونِ وسطیٰ (۵۰۰ء تا ۱۵۰۰ء) کا آغاز عموماً زوالِ رومتہ الکبریٰ (۴۷۶ء) سے کیا جاتا ہے۔ چھٹی صدی میں سرزمینِ عرب سے طلوعِ اسلام کا عالمگیر واقعہ رونما ہوا اور پھر کئی صدی تک مسلمان دُنیائے علم و دانش کی قیادت کرتے رہے۔ اس دَور میں یورپ میں کیا ہو رہا تھا؟ مسلمانوں نے جنوبی یورپ میں بیٹھ کر علوم و فنون کے جو اثرات وسطی، شمالی اور مغربی یورپ تک پھیلائے ان کے کیا نتائج مرتب ہوئے؟ یہ ایک الگ موضوعِ بحث ہے۔ مسلمانوں نے ایک نیا نظامِ تعلیم رائج کیا جس نے دُنیا کو نیکی اور خیر سے معمور کر دیا۔ انہوں نے الہٰیاتِ قرآنی پر مبنی سیاسی، ثقافتی، معاشرتی اور تہذیبی ادارے قائم کئے جنہوں نے پوری دُنیا کو انسانیت کا درس دیا۔ اس پورے دَور میں مسلمان علماء، فضلاء اور محققین نے جو خدمات انجام دیں ان کی مفصّل سرگزشت، اوراقِ تاریخ میں محفوظ ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم تاریخِ عالم میں بحیثیتِ ایک ملّت اپنے صحیح مقام کا تشخّص کرنے کے لئے اپنے تاریخی حالات کو زیادہ سے زیادہ صحیح صورت میں اجاگر کریں اور اسے ایک موثّر اور فعّال نظامِ فلسفہ کے طور پہ پیش کریں۔

مورّخین کی اکثریت نے احیائے علوم کے ڈانڈے یونانی علوم و افکار اور رومتہ الکبریٰ کی علمی ترقّی سے ملانے کی کوشش کی ہے ان کے نزدیک قرونِ وسطیٰ کا دَور مکمل تاریکی کا دَور تھا۔

(بقیہ حاشیہ) ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی، علم جغرافیہ میں مسلمانوں کی خدمات (لاہور) ۱۹۶۵ء

ہاشم، صلاح الدین عثمان (مترجم) تاریخ الادب الجغرافی العربی (لجنة التالیف والترجمہ والنشر، قاہرہ) ۱۹۶۲ء

محمد مارماڈیوک پکتھال، تہذیبِ اسلامی (لاہور) فیروز سنز

محمد امین فارس، میراثِ عرب

راغب طباخ حلبی، تاریخ افکار و علومِ اسلامی، اُردو ترجمہ افتخار احمد بلخی۔

جو لوگ قرآن میں یقین نہیں رکھتے انہیں قرون وسطیٰ میں مکمل تاریکی نظر آتی ہے اور یہ لوگ یورپ کے احیائے علوم پر بحث کرتے ہوئے مسلمانوں کے ہاتھوں علوم و فنون کے ضیاع کی داستانیں بیان کرتے ہیں لیکن حقائق کو ہمیشہ کے لئے پردۂ خفا میں نہیں رکھا جا سکتا۔ خود دورِ حاضر کے مغربی مورخین نے ان داستانوں کو من گھڑت قرار دیا ہے۔ ان روشن خیال مورخین کے افکار کے لئے کرین برنٹن، جان بی کرسٹوفر اور رابرٹ ایل وُلف کی کتاب تاریخ تہذیب[1]، رابرٹ بریفالٹ کی تشکیلِ انسانیت، موسیو لی بان کی تمدنِ عرب، فلپ، کے، ہتی کی تاریخ عرب اور سارٹن کی کتاب تاریخ سائنس کا وسیع مطالعہ ضروری ہے۔

قرونِ وسطیٰ کو قرونِ مظلمہ قرار دینے کا اگر یہ مفہوم ہے کہ اس دور میں یورپ جہالت اور تاریکی میں بالکل ڈوبا ہوا تھا اور وہاں انسانی اقدار نام کی کسی چیز کا وجود تو کیا نام تک موجود نہ تھا تو یہ بالکل صحیح اور عین حق کے مطابق ہے۔ کیونکہ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ اس دور میں بدی کی اتنی فراوانی اور نیکی کی اتنی قلت دنیا کے کسی اور خطے میں دیکھنے میں نہیں آئی جب تک مسلمان علماء و فضلاء نے برِاعظم یورپ میں علم و عرفان کی شمعیں فروزاں نہیں کیں وہاں انسانی گوشت بکتا رہا، علم کو جہالت قرار دیا جاتا رہا اور فلاحِ انسانی کو ایک لعنت سمجھا جاتا رہا۔ حیرت ہے کہ مغرب نے جب دنیا میں سیاسی و اقتصادی غلبہ حاصل کیا تو وہاں کے "دانشوروں" نے قرونِ وسطیٰ کی تاریکی کے مفہوم اور اس کے جغرافیائی محلِ وقوع کو یکسر بدل ڈالا اور یہ تأثر دیا کہ ہم نے تو علوم و فنون کی میراث اہلِ یونان سے پائی اور پھر اس میں اپنی صلاحیتوں سے اضافہ کیا ہے۔ مقامِ شکر ہے کہ اب اس غلط پراپیگنڈہ کی حقیقت بے نقاب ہو رہی ہے اور مسلمان حلقوں میں قرونِ وسطیٰ کے سائنسی افکار کی تاریخ اور اس کے فلسفہ پر کام کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں ہمارے لئے ناگزیر ہے کہ ہم سائنسی افکار کی تاریخ کے فلسفہ کے اسلامی اصول از سرِ نو مرتب کریں اور ان کی روشنی میں قرونِ وسطیٰ کے

---

[1] اس کتاب کا اُردو ترجمہ، مولانا غلام رسول مہرؔ نے کیا ہے جو ۱۹۶۵ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب نہایت ضخیم ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ مؤلفین نے دجلہ و فرات کی قدیم دریائی میدانوں کی تہذیبوں سے لے کر دورِ حاضر تک کی سرگزشتِ تہذیب پر نہایت قیمتی مواد جمع کیا ہے۔

حالات کا مطالعہ کریں۔ اگر ہم مغرب کے وضع کردہ اصول وضوابط ہی کو اپنائیں گے تو ہم کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

قرونِ وسطیٰ میں جب مسلمانوں نے مدینہ (۶۳۲ - ۶۶۱ء) دمشق (۶۶۱ - ۷۵۰ء) بغداد (۷۵۰ - ۱۲۵۸ء) اور قرطبہ (۷۵۶ - ۱۴۱۱ء) میں بالترتیب اسلامی اقتدار قائم کیا تو اس نے ہمیشہ قرآنی منہاج کی روشنی میں علم و سائنس کی بے پناہ حوصلہ افزائی کی اور اس میدان میں مسلمان فضلاء نے نمایاں اور شاندار خدمات انجام دیں۔ بہت کم مورخین نے اس دور کی "تاریخ لکھنے میں اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ اس ضمن میں ہمارے مسلمان مؤرخین کی اکثریت کا کردار بھی محلِ نظر ہے۔ ابنِ خلدون سے قبل کے مؤرخین کے ہاں تو تاریخ نگاری کا یہ نظریہ پایا جاتا ہے کہ ماضی کے واقعات و حوادث کو کسی نہ کسی طور سے قلمبند کر لیا جائے اور تاریخی تنقید و تنقیح سے کوئی غرض نہ رکھی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ چند خونی واقعات (مثلاً جنگ جمل و صفین، واقعہ کربلا و حرّہ، قتل بنو امیّہ وغیرہ) اسلامی تاریخ کے اہم ترین عنوانات بن کر رہ گئے ہیں۔ ان مؤرخین نے اپنے قلم کا سارا زور ان خونی واقعات کی تفصیلات بیان کرنے میں صرف کیا۔ جب اسلام ایک مؤثر سیاسی طاقت نہ رہا تو غیر مسلم مؤرخین نے انہی خونی واقعات اور ان کی غلط توجیہات کو بنیاد بنا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور مسلمانوں نے اس پورے دور میں دنیا کی علمی ثقافتی اور تہذیبی ترقی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ مغرب کا متعصب قلم انہی خونی واقعات کی غلط تعبیر پر انحصار کرتے ہوئے مسلمانوں کی کردارکشی کی مہم میں مصروف ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج یورپی مؤرخین عالمی تاریخ میں مسلمانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں[1]۔ رابرٹ بریفالٹ

---

[1] مثال کے طور پر (CAMBRIDGE MIDEAVAL HISTORY) کو دیکھئے۔ یہ پانچ ہزار صفحات کی ایک مبسوط کتاب ہے جس میں اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے لئے صرف پندرہ ورق دیئے گئے ہیں۔ جیمز ہنری بریسٹڈ کی تاریخ (MIDEAVAL AND MODERN TIMES) ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور دنیا کی متعدد یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے لیکن اسلام کا بحیثیت ایک تحریک کوئی ذکر نہیں صرف بدھ راہبوں کے تحت مسلمانوں کا نام ضمناً لیا گیا ہے۔

نے مؤرخین کی اس ذہنی کیفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"مؤرخینِ یورپ نے عربوں کی ہر ایجاد اور ہر اکتشاف کا سہرا اس یورپی کے سر باندھ دیا ہے جس نے پہلے پہل اس کا ذکر کیا تھا۔ مثلاً قطب نما کی ایجاد ایک فرضی شخص فُلویُو گوجہ کی طرف منسوب کر دی۔ وِلے ناف کے آرنلڈ کو الکحل اور بیکن کو بارُود کا مُوجد قرار دیا اور یہ بیانات وہ خوف ناک جھُوٹ ہیں جو یورپی تہذیب کے ماخذ کے متعلق بولے گئے ہیں[۱]"

رابرٹ بریفالٹ اور متعدد دوسرے مؤرخین نے ایسے بیشمار خوف ناک جھُوٹوں کا تذکرہ کیا ہے جو متعصّب مغربی مؤرخین نے یورپی تہذیب کے ماخذ کے بارے میں بولے ہیں۔ غالباً ان میں سے سب سے زیادہ خوف ناک جھُوٹ اور خلاف واقعہ بیان، یونانی علوم و افکار کے زمانی اور مکانی انتقال سے متعلّق ہے جس میں مسلمانوں کو محض ایک پوسٹ مین یا پیغام رسان ذریعہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بیان اس قدر مضحکہ خیز اور خلافِ واقعہ ہے کہ کوئی صحیح العقل شخص ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ انتقالِ علوم کے یورپی ماہرین کا کہنا ہے کہ مسلمانوں نے یونانی علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے کے سوا کوئی کام نہیں کیا اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی حیثیت یونانی افکار کے ایک چربہ سے زیادہ نہیں ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یورپ کے قرونِ وسطیٰ کے "فضلاء" نے یونانی علوم کو کیوں اخذ نہ کیا؟ جو کام مسلمانوں نے کیا وہ اہلِ یورپ نے کیوں نہ کیا اور کیا وجہ ہے کہ یورپ میں "اُحیائے علوم کی تحریک" سے قبل سائنسی افکار کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا؟ ان سوالات کا جواب بہت زیادہ معنی خیز ہے اور اپنے اندر اہم تاریخی حقائق کو سمیٹے ہوئے ہے۔ کوئی متعصّب یورپی فاضل ان سوالات کے جواب دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور جن منصف مزاج مُصنفّین نے ان سوالات کا جواب دینے کی جو حقیقت پسندانہ کوشش کی ہے انہوں نے انتقالِ علوم کے متعصّب ماہرین کے مذکورہ بالا بیان کو غلط قرار دیا ہے۔ نہایت سادہ سی حقیقت ہے کہ عیسائیت کے سیاسی اقتدار و پاپائیت کے غلبہ نے انسانیت کو جس تاریک راستہ پر ڈال دیا تھا اور زوال رومتہ الکبریٰ

---

[۱] رابرٹ بریفالٹ، تشکیلِ انسانیت، ص ۲۶۲ ؎

کے بعد دُنیائے مذاہب و تہذیب میں جو عالمگیر فساد رونما ہو چکا تھا اسے خالقِ کائنات نے قرآنی نظامِ حیات کے ذریعے دُور کرنے کا آغاز فرمایا اور اسی قرآنی نظامِ حیات نے مسلمانوں کو دُنیا میں ایک اہم علمی، سیاسی، ثقافتی اور تمدّنی قوّت کا کردار ادا کرنے کے قابل بنایا۔ اس وقت اہلِ یورپ اس قابل نہ تھے کہ وہ کسی تہذیب کو جنم دے سکتے یا اس کی نشو و نما کر سکتے۔ حتیٰ کہ عیسائیت کے سیاسی اقتدار نے ان کی جو حالت بنا دی تھی اس نے انہیں اس قابل بھی نہ چھوڑا تھا کہ وہ یونانی علوم ہی کو محفوظ کر سکتے یا ان کا ترجمہ کر سکتے۔

مذہب اور سائنس کے درمیان تفریق کا نظریہ رکھنے والوں کو سوچنا ہو گا کہ مسلمانانِ اسلام کے مذہبی محرکات کی روشنی میں ایک عظیم الشّان سائنسی نظامِ حکمت قائم کرنے میں کیوں کامیاب ہو سکے؟ اور عیسائیت کا مذہبی اقتدار مسیحی دنیا کو اسی نوعیت کے مذہبی محرکات دینے میں کیوں ناکام ہوا؟ حقیقت یہ ہے کہ سائنس نام ہے ایک خاص طرز پر کائنات کے مطالعہ کا ——— اور اس مطالعہ کی بنیاد ہے تخلیقِ کائنات اور اس کے نظریہ کا گہرا وجدانی احساس، مذہب کے بغیر ہر نوع کا سائنسی مطالعہ مجرّد انسانی عقل کے استعمال کا نتیجہ ہو گا ——— اور ظاہر ہے کہ یہ انسانیت کی فوز و فلاح کا موجب نہیں بن سکتا۔ دورِ جدید کے سائنسدانوں نے اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے۔ ایک طرف دورِ جدید کے ان سائنسدانوں کے اس اعتراف کو دیکھیئے اور دوسری طرف ان "اسلامی" حلقوں کا رویّہ ملاحظہ کیجئے جو سائنس کے ساتھ اسلام یا مجرّد مذہب کا نام استعمال کرنا برداشت نہیں کر سکتے۔[1] لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کے اس افسوس ناک رویّہ کو وقت کا مؤثر عامل (TIME FACTOR) خود بخود غلط قرار دے گا۔ کیونکہ قرآن کا ایک بنیادی اصول ہے وَ اَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ[2]

---

[1] دسمبر ۱۹۷۴ء میں اسلام آباد یونیورسٹی، اسلام آباد کے "انسٹی ٹیوٹ آف سنٹرل ایشین کلچرز" کے زیرِ اہتمام منعقدہ "قومی سیمینار برائے مطالعہ تاریخ سائنس" میں راقم الحروف کو شرکت کا موقع ملا تھا۔ اس میں ملک کے بعض ایسے دانش وروں کے مقالات سُننے کا اتفاق بھی ہوا جو سائنس اور مذہب کی تفریق پر اب بھی یقین رکھتے ہیں جب کہ اس نظریہ کے بانی اب اس کی تردید کر رہے ہیں۔

[2] القرآن الکریم، الرّعد، ۱۷۔

جو چیز لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے وہی زمین میں باقی رہتی ہے۔

آخر میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان اسباب و عوامل کا تعین کیا جائے جو مسلمانوں کے علمی اور فکری زوال کا باعث ہوئے اور جن کی وجہ سے یہ قرآنی منہاج اور مطالعۂ کائنات کا مکمل نظامِ حکمت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر دوسری اقوامِ عالم تک منتقل ہو گیا۔ انہی اسباب و عوامل کے تعین کی مدد سے ہم یورپ کی احیائے علوم کی تحریکوں کے فلسفہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور مغربی تہذیب کے مآخذ کا صحیح طور سے پتہ چلا سکتے ہیں۔ نیز اسی بحث سے قرونِ وسطیٰ اور مابعد کے سائنسی افکار و تصورات کی نشو و نما کی صحیح توجیہ کی جا سکتی ہے۔ مسلمانوں کے علمی و فکری زوال کا تعلق ان کے سیاسی زوال کے ساتھ ہے اور ہم سیاسی زوال کے پس منظر کے بغیر اس کی کوئی توجیہ نہیں کر سکتے۔ بغداد کی حکومت (۷۵۰ تا ۱۲۵۸ء) نے عظیم علمی خدمات انجام دی تھیں، اس دور میں مسلمان علماء و فضلاء نے طب، کیمیا، جغرافیہ، علم الارض، حیاتیات، حیوانیات، عمرانیات غرضیکہ سائنسی علوم کے ہر شعبہ میں زبردست ترقی کی تھی۔ بعد ازاں مسلمانوں نے برِّاعظم یورپ کے جنوب مغرب میں اسپین کے شہروں قرطبہ، غرناطہ اور اشبیلیہ وغیرہ میں عظیم الشان درس گاہیں قائم کیں اور جدید سائنسی نظریات پیش کئے۔ اسی طرح برِّاعظم افریقہ کے شمالی حصّے اور ایران میں بھی متعدد علمی مراکز، کتب خانے، تجربہ گاہیں اور درسگاہیں قائم ہوئیں۔ لیکن جب مسلمان کے ہاتھوں سے سیاسی قوّت جاتی رہی تو ان کے سارے علوم و فنون اور افکار و نظریات بھی دوسروں کو منتقل ہو گئے۔ اسلامی اسپین کی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں یورپ کے طالب علم اکتسابِ علم کرتے رہے اور یوں اسلامی علوم و فنون یورپ تک پہنچے اور جب اسلامی حکومتیں زوال پذیر ہو گئیں تو اہلِ یورپ مسلمان علماء و فضلاء کی کتابوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کا انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں ترجمہ کیا اور انہی تراجم پر اپنے علوم و فنون کی شاندار عمارت تعمیر کی۔ حیرت ہے کہ اہلِ یورپ نے مسلمانوں سے اکتساب کرنے میں دیانت کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ ان کی کتابوں کے ناموں تک کو بدل ڈالا۔ صرف یہی نہیں بلکہ عربوں کی بعض تصانیف پر اپنا نام بطورِ مصنف لکھ دیا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لفظ جیبر (JEBER) کے تحت ایک ایسے یورپی مترجم کا نام دیا گیا ہے جس نے مشہور مسلمان، ماہرِ کیمیا جابر بن حیّان اندلسی کے ایک لاطینی ترجمہ کو اپنی تصنیف قرار دے ڈالا تھا۔[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، (یو۔ ایس۔ اے ۱۹۶۹ء) زیرِ لفظ جیبر

سلرنو کالج کے پرنسپل قسطنطین (۱۰۶۰ء) نے ابن الجزّار (۱۰۰۹ء) کی زاد المسافر کا لاطینی ترجمہ VIATICUM کے نام سے کیا اور اسے اپنی تصنیف قرار دے دیا[۱]۔ عالمی تاریخ میں مسلمانوں کے علمی و فکری مقام اور اُس کے صحیح تشخص کو ختم کرنے کی غرض سے اہلِ یورپ نے یہ حرکات کیں اور لکھا کہ ہماری تہذیب اور ہمارے علوم و فنون کا ماخذ یونانی علوم ہیں نہ کہ اسلامی علوم[۲]۔ مسلمان اپنے سیاسی زوال کے سبب تباہی کے جس راستہ پر چل نکلے تھے اس راستہ کو زیادہ تاریک بنانے کے عوامل خود مسلمانوں نے پیدا کر دیئے۔ مسلمان ملّتِ واحدہ کے دائرہ سے نکل کر سیاسی، مذہبی گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ انہوں نے اسلام کے دو مفہوم وضع کئے، ایک ظاہری اور دوسرا باطنی اور یورپ کی تقلید میں مذہب و سائنس کی خود ساختہ تفریق کا نظریہ اختیار کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود مسلمانوں نے قرآنِ کریم کی دینی حیثیت کو بدل ڈالا۔

نتیجہ یہ ہُوا کہ قرآنِ کریم کی حیثیت صرف ایک مقدّس کتاب کی سی رہ گئی مسلمان صدیوں سے قرآن کی اسی حیثیت پر ایمان رکھے ہوئے ہیں اور اسے پڑھ کر ڈھیروں ثواب حاصل کرنے میں کوشاں ہیں تاکہ روزِ قیامت ان کے اعمال میں ثواب کا پلڑا بھاری رہے۔ رہی اس دُنیا کے معاملات میں قرآن کی حاکمانہ حیثیت اور کائنات کے سائنسی مطالعہ کے لئے ایک زبردست وجدانی محرّک کی حیثیت، تو اس کے لئے کسی غور و فکر اور تحقیق کی ضرورت نہیں۔ یورپی فکر اس کمی کو "بخوبی" پورا کر رہا ہے۔ قرآنِ کریم کی دینی حیثیت کی تبدیلی ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم قرآن کی غلط تعبیر کرنے کا برملا ارتکاب کرتے ہیں اور اسے عین اسلام قرار دے رہے ہیں۔ اسی تبدیلی نے مسلمانوں کے ایک طبقہ کو جنم دیا ہے جو قرآنی آیات کی سائنسی تعبیر کا مخالف ہے۔ اور اسی تبدیلی نے اس نوعیت کے سوالات کے لئے گنجائش پیدا کی ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمیں قرآن کی سائنسی تعبیرات کا علم اسی وقت ہوتا ہے جب مغرب کے سائنس دان ان کا

---

[۱] میراثِ اسلام، آرنلڈ، الفرڈ گیام۔ ترجمہ عبدالمجید سالک۔ عنوان طبّ و سائنس ÷

[۲] اہلِ یورپ کی اس نوعیت کی غلط بیانیوں اور تاریخی کذب بیانیوں کی تفصیلات کے لئے دیکھیے تشکیلِ انسانیت، اور معرکۂ مذہب و سائنس از رابرٹ بریفالٹ اور ڈاکٹر ڈریپر ÷

اعلان کرتے ہیں ؟ واضح حقیقت ہے کہ جب ہم نے از خود حقائق کائنات کے علم کو اغیار کے حوالے کر دیا اور انہیں سائنسی صداقتوں کا مالک بنا دیا تو اب یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم اغیار کے اعلان سے قبل اُن تک رسائی حاصل کر سکیں ؟ ہم خود تو مطالعۂ کائنات کی قرآنی منہاج اور اس کے پیش کردہ نظامِ حکمت سے الگ ہو کر تصوّف و باطنیت کی منزلیں طے کرنے لگے اور ہمارے نظامِ تعلیم نے ہمیں یہ بتایا کہ سائنس، مذہب کی نفی کرتی ہے تو یہ کیونکر ممکن تھا یا ہو سکتا ہے کہ ہم قرآن کی سائنسی تعبیر کر سکیں یا سائنسی حقائق اور قرآنی آیات میں تطابق پیدا کر سکیں "علمی صداقتوں کے بل بوتے پر دَورِ جدید کے باطل کی جلوہ فروشی خود ہماری غفلت شعاری کا نتیجہ ہے"۔ یہ صداقتیں اور سائنسی حقائق درحقیقت تعلیم نبوّت کی رونق و زینت کے لئے ظہور میں آئی تھیں تاکہ نبوّت کی تعلیم زیادہ معجز اور یقین افروز ہو کر دُنیا کے کناروں تک پھیل جائے[۱]۔ ایک عرصہ تک ہم ان صداقتوں اور کائنات کے سائنسی اسرار و رموز کے امین رہے لیکن ہم نے بعد ازاں اپنی جہالت سے ان صداقتوں کا مقاطعہ کر دیا اور انہیں باطل کے حوالے کر ڈالا۔ اب وہ انہی حقائق کو زیادہ قوّت کے ساتھ ہمارے خلاف، خود ہمارا وجود ختم کرنے کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم پوری قوّت اور دل و جان کی محبّت کے ساتھ قرآنِ کریم کی صحیح حیثیت کا ادراک کریں۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور مسلمانوں کی احیائے علوم کی تحریک اسی عمل سے وابستہ ہے۔ یہی عمل تمام تر اسلامی تحقیق کے رُخ کو اسلام کے بلند مقاصد کے حصول کی سمت میں ڈال سکتا ہے۔

---

[۱] قرآن اور علم جدید، ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ لاہور (۱۹۵۳ء) ص ۸۷۔